تفہیم القرآن

الانفطار

(۸۲)

الانفطار

نام پہلی ہی آیت کے لفظ اِنْفَطَرَتْ سے ماخوذ ہے۔ اِنْفِطار مصدر ہے جس کے معنی پھٹ جانے کے ہیں۔ اس نام کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ سورت ہے جس میں آسمان کے پھٹ جانے کا ذکر آیا ہے۔

زمانۂ نزول اس کا اور سورۂ تکویر کا مضمون ایک دوسرے سے نہایت مشابہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سورتیں قریب قریب ایک ہی زمانے میں نازل ہوئی ہیں۔

موضوع اور مضمون اس کا موضوع آخرت ہے۔ مُسندِ احمد، ترمذی، ابن المُنذِر، طَبَرانی، حاکم اور ابنِ مَردُوْیَہ کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا: مَنْ سَرَّہٗ اَن ینظر الی یوم القیٰمۃ کانہ رأی عین فلیقرأ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ، وَاِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ، وَاِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ۔ "جو شخص چاہتا ہو کہ روزِ قیامت کو اِس طرح دیکھ لے جیسے آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے تو وہ سورۂ تکویر اور سورۂ اِنْفِطار، اور سورۂ اِنْشِقاق کو پڑھ لے۔"

اِس میں سب سے پہلے روزِ قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جب وہ پیش آجائیگا تو ہر شخص کے سامنے اس کا کیا دھرا سب آجائے گا۔ اس کے بعد انسان کو احساس دلایا گیا ہے کہ جس رب نے تجھ کو وجود بخشا اور جس کے فضل و کرم کی وجہ سے آج تو سب مخلوقات سے بہتر جسم اور اعضاء لیے پھرتا ہے، اس کے بارے میں یہ دھوکا تجھے کہاں سے لگ گیا کہ وہ صرف کرم ہی کرنے والا ہے، انصاف کرنے والا نہیں ہے؟ اُس کے کرم کے معنی یہ تو نہیں ہیں کہ تو اس کے انصاف سے بے خوف ہو جائے۔ پھر انسان کو خبردار کیا گیا ہے کہ تو کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہ، تیرا پورا نامۂ اعمال تیار کیا جا رہا ہے۔ اور نہایت معتبر کاتب ہر وقت تیری تمام حرکات و سکنات کو نوٹ کر رہے ہیں۔ آخر میں پورے زور کے ساتھ کہا گیا ہے کہ یقیناً روزِ جزا برپا ہونے والا ہے جس میں نیک لوگوں کو جنت کا عیش اور بد لوگوں کو جہنم کا عذاب نصیب ہو گا۔ اس روز کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا، فیصلے کے اختیارات بالکل اللہ کے ہاتھ میں ہوں گے۔

سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ

اٰیَاتُھَا ۱۹ رُکُوْعُھَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۙ﴿۱﴾ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ﴿۲﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ﴿۳﴾ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۙ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ؕ﴿۵﴾

جب آسمان پھٹ جائے گا، اور جب تارے بکھر جائیں گے، اور جب سمندر پھاڑ دیے جائیں گے[۱] اور جب قبریں کھول دی جائیں گی،[۲] اُس وقت ہر شخص کو اُس کا اگلا پچھلا سب کیا دھرا معلوم ہو جائے گا۔[۳]

۱؎ سورۂ تکویر میں فرمایا گیا ہے کہ سمندروں میں آگ بھڑکا دی جائے گی، اور یہاں فرمایا گیا ہے کہ سمندروں کو پھاڑ دیا جائے گا۔ دونوں آیتوں کو ملا کر دیکھا جائے اور یہ بات بھی نگاہ میں رکھی جائے کہ قرآن کی رو سے قیامت کے روز ایک ایسا زبردست زلزلہ آئے گا جو کسی علاقے تک محدود نہ ہوگا بلکہ پوری زمین بیک وقت ہلا ماری جائے گی، تو سمندروں کے پھٹنے اور ان میں آگ بھڑک اُٹھنے کی کیفیت ہماری سمجھ میں یہ آتی ہے کہ پہلے اُس عظیم زلزلے کی وجہ سے سمندروں کی تہ پھٹ جائے گی اور ان کا پانی زمین کے اُس اندرونی حصے میں اترنے لگے گا جہاں ہر وقت ایک بے انتہا گرم لاوا کھولتا رہتا ہے۔ پھر اس لاوے تک پہنچ کر پانی اپنے اُن دو ابتدائی اجزاء کی شکل میں تحلیل ہو جائے گا جن میں سے ایک، یعنی آکسیجن جلانے والی، اور دوسری، یعنی ہائیڈروجن بھڑک اُٹھنے والی ہے، اور یوں تحلیل اور آتش افروزی کا ایک ایسا مسلسل ردِ عمل (Chain reaction) شروع ہو جائے گا جس سے دنیا کے تمام سمندروں میں آگ لگ جائے گی۔ یہ ہمارا قیاس ہے، باقی صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔

۲؎ پہلی تین آیتوں میں قیامت کے پہلے مرحلے کا ذکر ہے اور اِس آیت میں دوسرا مرحلہ بیان کیا گیا ہے۔ قبروں کے کھولے جانے سے مراد لوگوں کا ازسرِ نو زندہ کر کے اٹھایا جانا ہے۔

۳؎ اصل الفاظ ہیں مَا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ۔ ان الفاظ کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں اور وہ سب ہی یہاں مراد ہیں: (۱) جو اچھا یا بُرا عمل آدمی نے کر کے آگے بھیج دیا وہ مَا قَدَّمَتْ ہے اور جس کے کرنے سے وہ باز رہا وہ مَا اَخَّرَتْ۔ اس لحاظ سے یہ الفاظ تقریباً انگریزی زبان کے الفاظ Commission اور Omission کے ہم معنی ہیں۔

(۲) جو کچھ پہلے کیا وہ مَا قَدَّمَتْ ہے اور جو کچھ بعد میں کیا وہ مَا اَخَّرَتْ، یعنی آدمی کا پورا نامۂ اعمال ترتیب وار

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝٦ الَّذِيْ خَلَقَكَ
فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝٧ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاۗءَ رَكَّبَكَ ۝٨ كَلَّا
بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝٩ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝١٠ كِرَامًا

اے انسان، کس چیز نے تجھے اپنے اُس ربِّ کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا جس نے تجھے پیدا کیا، تجھے نِک سُک سے درست کیا، تجھے مُتناسب بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ کر تیار کیا؟[۵] ہرگز نہیں[۶]، بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) تم لوگ جزا و سزا کو جھٹلاتے ہو[۷] حالانکہ تم پر نگراں مقرر ہیں، ایسے معزز

اور تاریخ دار اس کے سامنے آجائے گا۔

(۳) جو اچھے اور بُرے اعمال آدمی نے اپنی زندگی میں کیے وہ مَا قَدَّمَتْ ہیں اور ان اعمال کے جو آثار و نتائج وہ انسانی معاشرے میں اپنے پیچھے چھوڑ گیا وہ مَا اَخَّرَتْ۔

۴ یعنی اول تو اُس محسن پروردگار کے احسان و کرم کا تقاضا یہ تھا کہ تو شکر گزار اور احسان مند ہو کر اس کا فرمانبردار بنتا اور اُس کی نافرمانی کرتے ہوئے تجھے شرم آتی، مگر تو اس دھوکے میں پڑ گیا کہ تو جو کچھ بھی بنا ہے خود ہی بن گیا ہے اور یہ خیال تجھے کبھی نہ آیا کہ اس وجود کے بخشنے والے کا احسان مانے۔ دوسرے، تیرے رب کا یہ کرم ہے کہ دنیا میں جو کچھ تو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اور ایسا نہیں ہوتا کہ جونہی تجھ سے کوئی خطا سرزد ہو وہ تجھ پر فالج گرا دے یا تیری آنکھیں اندھی کر دے یا تجھ پر بجلی گرا دے۔ لیکن تو نے اس کریمی کو کمزوری سمجھ لیا اور اس دھوکے میں پڑ گیا کہ تیرے خدا کی خدائی میں انصاف نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

۵ یعنی کوئی معقول وجہ اس دھوکے میں پڑنے کی نہیں ہے۔ تیرا وجود خود بتا رہا ہے کہ تو خود نہیں بن گیا ہے، تیرے ماں باپ نے بھی تجھے نہیں بنایا ہے، عناصر کے آپ سے آپ جُڑ جانے سے بھی اتفاقاً تو انسان بن کر پیدا نہیں ہو گیا ہے، بلکہ ایک خدائے حکیم و توانا نے تجھے اِس مکمل انسانی شکل میں ترکیب دیا ہے۔ تیرے سامنے ہر قسم کے جانور موجود ہیں جن کے مقابلے میں تیری بہترین ساخت اور تیری افضل و اشرف قوتیں صاف نمایاں ہیں۔ عقل کا تقاضا یہ تھا کہ اِس کو دیکھ کر تیرا سر بارِ احسان سے جھک جاتا اور اُس ربِّ کریم کے مقابلے میں تو کبھی نافرمانی کی جرأت نہ کرتا۔ تو یہ بھی جانتا ہے کہ تیرا رب صرف رحیم و کریم ہی نہیں ہے، جبّار و قہّار بھی ہے۔ جب اس کی طرف سے کوئی زلزلہ یا طوفان یا سیلاب آجاتا ہے تو تیری ساری تدبیریں اس کے مقابلہ میں ناکام ہو جاتی ہیں۔ تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تیرا رب جاہل و نادان نہیں بلکہ حکیم و دانا ہے، اور حکمت و دانائی کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ جسے عقل دی جائے اُسے اُس کے اعمال کا ذمہ دار بھی ٹھیرایا جائے، جسے اختیارات دیے جائیں اس سے حساب

كَاتِبِينَ ﴿١١﴾ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ﴿١٢﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿١٣﴾
وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿١٤﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ
عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿١٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ
مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ
وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴿١٩﴾

ع ۱۹

کاتب جو تمہارے ہر فعل کو جانتے ہیں۔
یقیناً نیک لوگ مزے میں ہوں گے اور بے شک بدکار لوگ جہنم میں جائیں گے جزا کے دن وہ اس میں داخل ہوں گے اور اُس سے ہرگز غائب نہ ہو سکیں گے۔ اور تم کیا جانتے ہو کہ وہ جزا کا دن کیا ہے؟ ہاں، تمہیں کیا خبر کہ وہ جزا کا دن کیا ہے؟ یہ وہ دن ہے جب کسی شخص کے لیے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا۔ فیصلہ اُس دن بالکل اللہ کے اختیار میں ہوگا۔

بھی لیا جائے کہ اس نے اپنے اختیارات کو کیسے استعمال کیا، اور جسے اپنی ذمہ داری پر نیکی اور بدی کرنے کی طاقت دی جائے اسے نیکی پر جزا اور بدی پر سزا بھی دی جائے۔ یہ سب حقیقتیں تیرے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہیں، اس لیے تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ اپنے ربِّ کریم کی طرف سے جس دھوکے میں تو پڑ گیا ہے اس کی کوئی معقول وجہ موجود ہے۔ تو خود جب کسی کا افسر ہوتا ہے تو اپنے اُس ماتحت کو کمینہ سمجھتا ہے جو تیری شرافت اور نرم دلی کو کمزوری سمجھ کر تیرے سر چڑھ جائے۔ اس لیے تیری اپنی فطرت یہ گواہی دینے کے لیے کافی ہے کہ مالک کا کرم ہرگز اس کا موجب نہ ہونا چاہیے کہ بندہ اُس کے مقابلے میں جری ہو جائے اور اس غلط فہمی میں پڑ جائے کہ میں جو کچھ چاہوں کروں، میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

۶؎ یعنی دراصل جس چیز نے تم لوگوں کو دھوکے میں ڈالا ہے وہ کوئی معقول دلیل نہیں ہے بلکہ محض تمہارا یہ احمقانہ خیال ہے کہ دنیا کے اِس دارالعمل کے پیچھے کوئی دارالجزا نہیں ہے۔ اِسی غلط اور بے بنیاد گمان نے تمہیں خدا سے غافل، اُس کے انصاف سے بے خوف، اور اپنے اخلاقی رویّے میں غیر ذمہ دار بنا دیا ہے۔

۷؎ یعنی تم لوگ چاہے دارالجزاء کا انکار کرو یا اُس کو جھٹلاؤ یا اُس کا مذاق اڑاؤ، اِس سے حقیقت نہیں بدلتی۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے رب نے تمہیں دنیا میں شتر بے مہار بنا کر نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ اس نے تم میں سے

ایک ایک آدمی پر نہایت راستباز نگران مقرر کر رکھے ہیں جو بالکل بے لاگ طریقے سے تمہارے تمام اچھے اور بُرے اعمال کو ریکارڈ کر رہے ہیں، اور ان سے تمہارا کوئی کام چھپا ہوا نہیں ہے، خواہ تم اندھیرے میں، خلوتوں میں، سنسان جنگلوں میں، یا اور کسی ایسی حالت میں اُس کا ارتکاب کرو جہاں تمہیں پورا اطمینان ہو کہ جو کچھ تم نے کیا ہے وہ نگاہِ خلق سے مخفی رہ گیا ہے۔ اِن نگران فرشتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے کِراماً کاتبین کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، یعنی ایسے کاتب جو کریم (نہایت بزرگ اور معزز) ہیں۔ کسی سے نہ ذاتی محبت رکھتے ہیں نہ عداوت کہ ایک کی بے جا رعایت اور دوسرے کی ناروا مخالفت کر کے خلافِ واقعہ ریکارڈ تیار کریں۔ خائن بھی نہیں ہیں کہ اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوئے بغیر بطورِ خود غلط سلط اندراجات کر لیں۔ رشوت خوار بھی نہیں ہیں کہ کچھ لے دے کر کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف جھوٹی رپورٹیں کر دیں۔ ان کا مقام اِن ساری اخلاقی کمزوریوں سے بلند ہے، اس لیے نیک و بد دونوں قسم کے انسانوں کو مطمئن رہنا چاہیے کہ ہر ایک کی نیکی بے کم و کاست ریکارڈ ہوگی، اور کسی کے ذمہ کوئی ایسی بدی نہ ڈال دی جائے گی جو اس نے نہ کی ہو۔ پھر ان فرشتوں کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ "جو کچھ تم کرتے ہو اُسے وہ جانتے ہیں" یعنی ان کا حال دنیا کی سی آئی ڈی اور اطلاعات (Intelligence) کی ایجنسیوں جیسا نہیں ہے کہ ساری تگ و دو کے باوجود بہت سی باتیں ان سے چھپی رہ جاتی ہیں۔ وہ ہر ایک کے اعمال سے پوری طرح باخبر ہیں، ہر جگہ ہر حال میں ہر شخص کے ساتھ اِس طرح لگے ہوئے ہیں کہ اُسے یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کوئی اُس کی نگرانی کر رہا ہے، اور اُنہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس شخص نے کس نیت سے کوئی کام کیا ہے۔ اس لیے اُن کا مرتب کردہ ریکارڈ ایک مکمل ریکارڈ ہے جس میں درج ہونے سے کوئی بات رہ نہیں گئی ہے۔ اِسی کے متعلق سورۂ کہف آیت ۴۹ میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے روز مجرمین یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ ان کا جو نامۂ اعمال پیش کیا جا رہا ہے اس میں کوئی چھوٹی یا بڑی بات درج ہونے سے نہیں رہ گئی ہے، جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب جوں کا توں اُن کے سامنے حاضر ہے۔

۸ یعنی کسی کی وہاں یہ طاقت نہ ہوگی کہ وہ کسی شخص کو اس کے اعمال کے نتائج بھگتنے سے بچا سکے۔ کوئی وہاں ایسا با اثر یا زور آور یا اللہ کا چہیتا نہ ہوگا کہ عدالتِ خداوندی میں اُڑ کر بیٹھ جائے اور یہ کہہ سکے کہ فلاں شخص میرا عزیز یا متوسل ہے، اسے تو بخشنا ہی ہوگا، خواہ یہ دنیا میں کیسے ہی بُرے افعال کر کے آیا ہو۔